نبوت کی حقیقت اور اس کی ضرورت واہمیت

از جناب مولانا گوہر رحمان صاحب

نبوت و رسالت کی ضرورت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ مختلف الفاظ کے ذریعے اس کا ذکر (شرعی مفہوم کے لحاظ سے) قرآن کریم میں ۵۱۸ مقامات پر ہوا ہے۔

رسالت بصیغۂ مصدر	۹	رسالت، رسالات
رسالت بصیغۂ اسم	۳۴۶	رسول، رُسُل، مُرسَل
رسالت بصیغۂ فعل	۷۱	اَرْسَلَ، اَرْسَلْنَا، اُرْسِلَ وغیرہ
نبوت بصیغۂ مصدر	۵	النبوّۃ
نبوت بصیغۂ اسم	۷۵	نبیٌّ، نبیّون، انبیاء
بعثتِ نبوت	۱۲	
	۵۱۸	

نبوت کی جو تعریف امام راغب اصفہانیؒ نے کی ہے۔ وہ ہر لحاظ سے جامع اور واضح ہے فرماتے ہیں:۔

وَالنُّبُوَّةُ سِفَارَةٌ بَيْنَ اللهِ وَبَيْنَ ذَوِي الْعُقُولِ مِنْ عِبَادِهٖ لِإِزَاحَةِ عِلَّتِهِمْ فِي أَمْرِ مَعَادِهِمْ وَمَعَاشِهِمْ [1]

ترجمہ۔ نبوت سفارت (مستند نمائندگی) ہے اللہ اور اس کے ذی عقل بندوں کے درمیان تاکہ اخروی اور دنیوی امور میں اُن کے نقصانات اور مشکلات کا ازالہ کیا جائے۔

---

[1] مفردات القرآن - باب النون مع الیاء ص ۴۹۹ - ومثلہ فی شرح العقائد۔

اس تعریف میں نبوت کی چار خصوصیات بیان کی گئی ہیں ،
پہلی یہ کہ منصب نبوت کسب و ریاضت سے حاصل نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ فضل خداوندی اور عطیہ الٰہیہ ہے ۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص اپنی کوشش اور قابلیت کی بنیاد پر سفیر نہیں بن سکتا ۔ جب تک کہ اسے سفیر بنانے والے نے چن نہ لیا ہو ۔
دوسری یہ کہ نبوت نمائندگی ہے ۔ نہ تو یہ الوہیت ہے ، نہ ابنیت ہے اور نہ ہی یہ کوئی فلسفیانہ علم ہے ۔ سفیر وہی ہو سکتا ہے جو بادشاہ اور آقا کا پیغام پہنچاتا ہو اور خود بھی اسی پیغام پر عمل کرتا ہو ۔ ایسا شخص اپنے آقا کا غلام ہوتا ہے ، اور اپنے آپ کو اس کا مدمقابل یا برابر نہیں سمجھتا ۔ اور فلسفہ تو عقلی باتوں کا نام ہے ۔ سفیر اور نمائندہ بادشاہ کے پیغام اور اس کی ہدایات کی تشریح تو کرتا ہے لیکن اپنی جانب سے فلسفیانہ باتیں نہیں بناتا ۔ نبی خدا کی بات کا امین ، پیغام رساں اور معلّم و شارح ہوتا ہے ۔ لیکن فلسفی من گھڑت اور خود ساختہ باتیں بناتا اور بتاتا ہے ۔ فلسفی کی بنیاد عقل بے مایہ کا ظن و تخمین ہے جو امامت و رہبری کا سزاوار نہیں ہو سکتا ؎

عقلِ بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
راہبر ہو ظن و تخمیں تو زبوں کارِ حیات (اقبالؒ)

تیسری یہ کہ تعلیماتِ نبوت ذی عقل بندوں کے لیے ہوتی ہیں ۔ مجنون اور دیگر بے عقل مخلوق ان سے مستثنیٰ ہوتی ہے ۔ اس لیے کہ ان تعلیمات پر عمل کرنے کے لیے علم اور سمجھ بوجھ کی ضرورت ہوتی ہے جو بے عقل مخلوق یا کم عقل (مجنون اور نابالغ) افراد کو حاصل نہیں ہے ۔
چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ نبوت کا اصل مقصد یہ ہے کہ لوگوں کی اُخروی اور دُنیوی دونوں زندگیوں کو مشکلات و مصائب سے بچایا جائے ۔ اور دونوں میں فلاح و صلاح حاصل کی جا سکے ۔ خدا کے بھیجے ہوئے رسولوں اور اس کے مقرر کردہ نمائندوں اور سفیروں کی تعلیمات راہبوں اور جوگیوں کی طرح ترک دنیا کا حکم نہیں دیتیں بلکہ حیات دنیا کی اصلاح و تعمیر کا پروگرام بناتی ہیں ۔
منصبِ نبوت نفوسِ طیّبہ ہی کو مل سکتا ہے | وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ (القصص آیت ۶۸)

" اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور پسند کر لیتا ہے اپنے کام کے لیے جسے چاہتا ہے ۔

اس انتخاب۔ ان لوگوں کا کچھ اختیار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور برتر ہے اُن سب چیزوں سے جنہیں یہ لوگ اس کے ساتھ شریک ٹھیراتے ہیں۔"

حافظ ابن القیمؒ (م ۷۵۱ھ) اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ:

" اللہ تعالیٰ طیّب یعنی ہر قسم کے عیب سے پاک ہے اور مخلوق کے اجناس وانواع میں سے پسند بھی طیب اور پاکیزہ چیزوں کو کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبوت کے منصب کے لیے اس انسان کو منتخب فرماتا ہے جو ظاہر و باطن اور صورت و سیرت دونوں کے اعتبار سے سعید اور طیب ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ پاکیزہ کاموں کے لیے پاکیزہ لوگوں ہی کو منتخب کیا جاتا ہے۔ اور گندے کام گندے لوگوں ہی کے ذریعے اشاعت پذیر ہوتا ہے۔ جو خود پاک اور سعید نہ ہو وہ دوسروں کے تزکیۂ نفوس اور سعادت رُوح کا ذریعہ کیسے بن سکتا ہے۔ خدا کا نبی ہر لحاظ سے پاک اور طیب ہوتا ہے۔ اس کی رُوح بھی طیب وسعید ہوتی ہے اور جسم بھی حسین و جمیل ہوتا ہے۔ اس کے اخلاق و اعمال پاک ہوتے ہیں، اس کی باتیں پاکیزہ اور میٹھی ہوتی ہیں، اس کا کھانا پینا پاک ہوتا ہے، اس کا لباس پاکیزہ ہوتا ہے اور اس کا چلنا پھرنا، اُٹھنا بیٹھنا سب پاک اور طیب ہوتا ہے[1]۔"

علامہ ابن خلدونؒ نبوت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" انسانوں کی ایک ایسی قسم بھی ہے جن کے اندر بشریت سے کٹ کر آسمانی فرشتوں کی جانب متوجہ ہوجانے کی استعداد و قابلیت فطرتاً موجود ہوتی ہے تاکہ وہ کبھی کبھی بالفعل فرشتہ بن جائیں۔ خدا کے مقدس اور بلند مرتبہ فرشتے ان کو دکھائی دیں اور خدا کا کلام سُن سکیں (اور سمجھ سکیں)۔ یہ انسان انبیاء ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے وحی کی حالت میں بشریت سے کٹ جانے کی استعداد عطا فرمائی ہے اور یہ اُن کی وہ فطرت و جبلت ہے جس پر وہ پیدا کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو بشر ہونے کے باوجود جسمانی اور بشری موانع اور روکاوٹوں سے محفوظ رکھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کی طبیعت و سرشت میں مضبوط قوت ارادی، استقامت، اعتدال اور شوقِ عبادت فطرتاً موجود ہوتا ہے جس میں ان کی محنت ومشقت اور کسب و ریاضت کا کوئی دخل

---

[1] زاد المعاد ملخصاً طبع مصطفیٰ البابی مصر ۱۹۵۰ء ج ۱ ص ۲۶ - ۲۷

نہیں ہوتا" (بلکہ یہ تمام چیزیں ان کی طبیعت کا تقاضا ہوتی ہیں جن کے کرنے میں ان کو تکلیف محسوس نہیں ہوتی بلکہ نہ کرنے میں تکلیف و پریشانی ہوتی ہے[1])۔

ابن خلدون آٹھویں صدی ہجری کے وہ فلسفی اور ماہر عمرانیات ہیں۔ جنہوں نے اپنے فلسفے کو آیات انبیاء کی روشنی میں مدوّن کیا ہے۔ انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں نبوت کی حقیقت بہترین الفاظ اور دقیق اسلوبِ بیان میں واضح کی ہے۔ ان کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ بشری اور جسمانی رکاوٹوں کی زنجیر کو توڑ کر عالم بالا کی جانب متوجہ ہونے کی استعداد، اخلاق طیبہ اور کمالات حقیقیہ اور شوقِ عبادت ان کے اندر فطری اور جبلی طور پر موجود ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اُسے کو کارِ نبوت کے لیے پسند کرتا ہے جو ان صفات کا حامل ہو (وربک یخلق ما یشاء ویختار) ایسا نہیں ہوتا کہ جو بھی سامنے آجائے اُسے نبی بنا دیا جائے حاشا وکلا۔ جیسا کہ آیات ذیل میں فرمایا گیا ہے:

اَللّٰهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (الحج ۷۵)

(اللہ تعالیٰ (پیغام رسانی کے لیے) چن لیتا ہے فرشتوں میں سے پیغام رساں اور (انسانوں میں سے بھی بیشک وہ سننے والا اور جاننے والا ہے)

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (آل عمران ۱۷۹)

(اور اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ تم کو غیب پر (براہ راست) مطلع کردے لیکن وہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے)

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (الانعام ۱۲۴)

(اللہ زیادہ جانتا ہے کہ اپنا پیغام کہاں اور کس پر نازل فرمائے)۔

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ فَخُذْ

[1] مقدمہ ابن خلدون بحث حقیقتِ نبوت ص ۸۵

مَآ اٰتَیْتُکَ وَکُنْ مِّنَ الشّٰکِرِیْنَ (الاعراف ۱۴۴)

(فرمایا اللہ نے اے موسیٰ! میں نے تم کو تمام لوگوں پر ترجیح دے کر اپنے پیغامات پہنچانے کے لیے منتخب کر لیا ہے اور اپنے سامنے ہم کلام ہونے کے لیے بھی پس جو کچھ میں تجھے دوں اُسے لے اور شکر بجالا)

اِن آیات میں اصطفاء اور اجتباء اور جعل کے الفاظ آئے ہیں جن کا مفہوم ہے اختصاص اور انتخاب یعنی چن لینا، نامزد کرنا اور اپنا برگزیدہ و پسندیدہ بندہ بنانا۔ اس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ یہ منصب کسبی نہیں ہے بلکہ انتخابی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ طیّب ہی کا انتخاب کرتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ خود طیب ہے اور طیب غیر طیب کو کبھی پسند نہیں کرتا۔

اس اصطفاء اور انتخاب کی تشریح کرتے ہوئے امام شہرستانی (م ۵۴۸ھ) لکھتے ہیں:

"جیسا کہ اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے انبیاء کو قولاً منتخب کرتا ہے (یعنی اپنا پیغام اس پر نازل کرتا ہے) اسی طرح عملاً بھی ان کو برگزیدہ بناتا ہے کہ ان کی فطرت و سرشت میں کمال اور صفائی ہوتی ہے، ان کی طبیعت و مزاج میں شرافت، اور اخلاق و کردار میں پاکیزگی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی درجہ بدرجہ تربیت کرتا ہے یہاں تک کہ جب وہ چالیس سال کی عمر کو پہنچتے ہیں اور اُن کی باطنی اور قلبی قوتیں کامل اور اسرارِ الٰہیہ (وحی) کے لیے تیار ہو جاتی ہیں تو پھر اُن کے پاس اپنے فرشتے کو بھیج دیتا ہے اور اپنی کتاب اُن پر نازل فرما دیتا ہے۔"[۱]

قاضی عیاض ؒ (م ۵۴۴ھ) فرماتے ہیں کہ:

"محققین نے نبوت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ تمام اخلاقِ حسنہ، اوصافِ حمیدہ اور کمالاتِ عالیہ جن کی اچھائی پر عقلاء اور حکماء کا اتفاق ہے۔ وہ سب کے سب انبیاء علیہم السلام کو فطری اور جبلّی طور پر دیے جاتے ہیں۔ یہ کمالات ان کو کسب و ریاضت اور محنت و مشقت سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ جُودِ الٰہی (رحمتِ خداوندی) اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کے خصوصی تعلق کی وجہ سے اُن کے اندر آغازِ فطرت میں موجود ہوتے ہیں۔ جو شخص بھی انبیاء کی

---

[۱] نہایۃ الاقدام ص ۴۶۳۔

سیرت کا مطالعہ اُن کے عہدِ طفولیت سے لے کر عہدِ نبوت تک کریگا اسے اس بات کی صداقت معلوم ہو جائے گی۔[1]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) بارھویں صدی ہجری کے مجددین میں سے وہ امام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے احکامِ دینیہ کے حکم و اسرار اخذ کرنے کا ملکہ عطا فرمایا تھا اور جو بجا طور پر اپنے دور کے حکیم الامت کہلانے کے مستحق ہیں۔ انہوں نے اپنی مشہور و معروف کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں اس موضوع پر ایک باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے " باب حَقِيْقَةِ النبوة وخَوَاصِّهَا " اس باب میں نبوت کی حقیقت دلچسپ لیکن فلسفیانہ اسلوب میں بیان کی گئی ہے۔ فرماتے ہیں:

"واضح رہے کہ انسانی طبقات میں سے سب سے اعلیٰ طبقہ ان کا ہے جنہیں فہم دیا گیا ہو۔ یہ لوگ معتدل طبیعت کے حامل ہوتے ہیں، اُن کی قوتِ ملکیہ (یعنی خیر اور بھلائی کا جذبہ) انتہائی بلند ہوتی ہے۔ یہ لوگ اس نظام کے قائم کرنے کی صلاحیت کے مالک ہوتے ہیں جو خداوند کریم کو مطلوب و محبوب ہو۔ عالمِ بالا سے ان پر علوم نازل ہوتے ہیں۔ ان کی سیرت اور مزاج میں اعتدال ہوتا ہے۔ صورت و سیرت دونوں میں تناسب و توازن ہوتا ہے۔ راہ راست کی پابندی تمام لوگوں سے زیادہ کرتے ہیں، عبادات میں اچھی عادات رکھتے ہیں لوگوں کے سامنے معاملات میں انصاف کرتے ہیں (یعنی معاشرتی انصاف قائم کرتے ہیں۔ اور عمومی تدبیر اور مفادِ عامہ کو پسند کرتے ہیں"۔

نبی صرف مابعد الطبیعیات کا نہیں بلکہ زندگی کے مکمل نظام کا معلّم ہوتا ہے

قرآن کریم میں نبوت و رسالت کا مقصد اقامت دین قرار دیا گیا ہے (الشوریٰ ۱۳)۔ ظاہر ہے کہ دین صرف مابعد الطبیعیات کا نام نہیں ہے بلکہ زندگی کے اس کامل نظام کا نام ہے جس میں عقائد و ایمانیات بھی شامل ہیں اور اعمال بھی شامل ہیں۔ اس نظام میں حقوق اللہ بھی ہیں اور حقوق العباد بھی ہیں۔ عبادات بھی اس کا حصہ ہے اور معاملات بھی۔ انفرادی احکام بھی اس کا جزو ہیں اور اجتماعی و تمدنی احکام و قوانین بھی۔ دین کے اسی جامع تصور سے خود بخود نبوت کا جامع تصور بھی سامنے آجاتا ہے۔ نبی ترکِ دنیا اور رہبانیت کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ دنیا کی اصلاح اور تعمیر کا ہمہ گیر پروگرام لے کر آتا ہے۔

---

[1] الشفاء بتعریف حقوق مصطفیٰ باب ثانی فصل عاشرہ جلد ۱ ص ۲۰۶ طبع دمشق ۱۳۹۲ھ

لیکن نبی کی تعلیمات کی اصل غرض و غایت (نصب العین) رضائے الٰہی اور فلاح اُخروی کا حصول ہوتا ہے۔ دُنیوی مفاد کے مقابلے میں اُخروی مفاد کو اہم اور مقدم رکھنے اور دنیوی زندگی کی اصلاح کو اُخروی زندگی کی اصلاح کا ذریعہ بنانے کو شرعی زبان میں زُہد کہا جاتا ہے اور ترکِ دُنیا کا نام رہبانیت ہے۔ نبی زاہد تو ہوتا ہے لیکن راہب نہیں ہوتا۔ اگر خدا کی نافرمانی کی روش اختیار کرنے یا اس روش کی تائید کرنے کے عوض اس کو دُنیا بھر کی حکومت یا سارے جہاں کے خزانے مل رہے ہوں تو وہ نہ صرف یہ کہ پائے حقارت سے ٹھکرا دیتا ہے بلکہ اس کے دل و دماغ میں انہیں حاصل کرنے کا خیال اور وسوسہ تک نہیں آتا۔ لیکن اگر یہی حکومت اور مال و دولت اُسے منشاءِ خداوندی اور دینِ خداوندی اور دینِ اسلام کے قیام کے لیے مل رہی ہو تو وہ خود کہہ دیتا ہے کہ اجعلنی علی خزائن الارض (مجھے زمین کے وسائل و ذرائع کے استعمال پر مقرر کرو)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے نبوت کی خصوصیات اور نبی کے اوصاف کا بہترین انداز میں تجزیہ کیا ہے۔ ازالۃ الخفاء مقصد دوم اور قُرّۃ العینین دونوں میں یہ مضمون موجود ہے۔ یہاں پہ قُرّۃ العینین سے اس کا خلاصہ نقل کیا جاتا ہے۔

"اگر تم نبی اور اس کے خواص کو جاننا چاہتے ہو تو یوں سمجھو کہ انسانی زندگی کی تعمیر کے لیے جن جن صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب کی سب بیک وقت نبی کی ذات میں تمام دیگر انسانوں سے بڑھ کر فطرتاً موجود ہوتی ہیں۔ یعنی:

الف:۔ نبی ایک حکمران بھی ہوتا ہے جسے اِنسانِ مَدَنی کہا جاتا ہے یعنی اجتماعی اور تمدنی امور کا ماہر انسان۔ جس کی قوتِ عِلمیہ اور قوتِ عَملیہ (یعنی نظری سیاست اور عملی سیاست) کے سلسلے میں اہلِ قلم، صحافی، جرنیل، سیاست دان، کاشت کار، اور تاجر غرض تمام عالم اپنی اپنی زندگی کے میدان میں مناسب تربیت حاصل کرتا ہے اور زندگی کے ہر شعبے کا نظام اس کے حسنِ انتظام کے دَم سے قائم رہتا ہے۔

ب - نبی ایک حکیم بھی ہوتا ہے جو علمِ اخلاق، تدبیرِ منزل اور سیاستِ مُدُن کے اصول کا ماہر ہوتا ہے وہ حکیم نہیں جو ان علوم و اصول کے صرف الفاظ سے آشنا ہو۔ بلکہ وہ حکیم جس کی یہ تمام صفات طبیعتِ ثانیہ بن چکی ہوں حتیٰ کہ اس کی زندگی کی ہر حرکت سے یہ علوم جھلکتے نظر آ رہے ہوں۔

ج ۔ نبی ایک مرشد کامل اور مربّی بھی ہوتا ہے جو طاعات و عبادات اور اشغال و اوراد کے ان تمام طریقوں سے بخوبی آگاہ ہو جو تہذیب روح و تزکیۂ نفس کے لیے ضروری ہوتے ہیں ۔ اور ان علوم حقہ کا ماہر اور حامل ہو جن سے انسانوں پر عالم ملک و ملکوت کے اسرار پنہاں روشن ہوتے ہیں اور اسی طرح اعمال و اذکار کے تمام خواص سے بھی آشنا ہو .... اور اس کے یہ سب کمالات فطری ہوں ۔ کسی معلّم اور درس گاہ کے رہین منت نہ ہوں [۱]۔

نبوت کے ارکانِ ثلاثہ کی تشریح شاہ صاحب کے تجزیے سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی نبوت کے لیے تین ارکان کا موجود ہونا ضروری ہے ، حکومت و سیاست، علم و حکمت، اور مرشد و ہدایت ۔ ان تینوں صفات پہ عالم کی اصلاح موقوف ہے ۔ سیاست کے ساتھ اگر حکمت نہ ہو تو اس قسم کی غیر حکیمانہ اور غیر دانشمندانہ سیاست اصلاح کی بجائے فساد کا موجب ہوتی ہے ۔ لیکن اگر حکمت و علم تو موجود ہو مگر رشد و ہدایت اور تہذیب و تزکیۂ نفوس کا نظام موجود نہ ہو تو صرف سلطنت اور علم سے اصلاحی پروگرام کا نفاذ اور استحکام ممکن نہیں ہے ۔ کامل تربیت کے لیے کامل مربّی اور کامل اصلاح کے لیے کامل مصلح کی ضرورت ہوتی ہے ۔ نبی کے اندر یہ تینوں اوصاف بدرجۂ کمال موجود ہوتے ہیں ۔ وہ حکومت و سیاست کی صفات سے بھی متصف ہوتا ہے عملاً اگر اسے حکمرانی نہ بھی ملی ہو تو اصل حقیقت میں کوئی فرق لاحق نہیں ہوتا ۔ اس لیے کہ اس اقتدار کا دار و مدار تو حالات پہ ہے مگر بایں ہمہ وہ اپنی فقیری میں بھی امیری کے اوصاف سے متصف ہوتا ہے ۔ اسی طرح وہ علم و حکمت کا ایک بحر زخّار ہوتا ہے اور تزکیۂ نفوس کے طریقے سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے ۔ ان تینوں ارکان کی مختصر سی تشریح آئندہ شمارہ میں کی جائے گی ۔

(باقی آئندہ)

---

۱ قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین ملخصاً ۔ ص ۱۴۱ - ۴۲ ۔ طبع مکتبہ سلفیہ لاہور ۔ ۱۹۷۶ء